اکیسویں صدی میں کلام اقبال اور نوجوان نسل کو درپیش چیلنجز

Dr. Muhammad Iqbal Bhutta
Manager Pakistan Railways, Lahore

Abstract

Calligraphy, music and poetry are connected rhythm when they with each other. It create altogether mixed with the sentiments of the human being and poetry which is beautifully inscribed left its influence on one's mind forever. Number of calligraphers have been contributed through their a Nastaliq art while inscribing Kalam e Iqbal in style of calligraphy. Most of the calligraphers inscribed the verses of Iqbal for their satisfaction of consciousness. The people who are possessive with clumsy tradition could be changed their minds, if rovided proper guidance, enlightenment would be p under the systematic mechanism and series of lectures, as well as secondary, higher secondary, graduate level in educational -graduate and post institutions by the people who are the authority on Iqbaliat and prepare number of inscribed verses of bal's poetry display in a befitting manner in the Iq government offices and conferences, seminars should also be arranged for all the communities of the nation to overcome the challenges in 21st .century

Keywords:

Calligraphy, Kalam e Iqbal, Challenges, 21st century, Enlightenment, Guidance, Education

فنون لطیفہ میں موسیقی، فن شاعری باہم اس قدر پیوست ہیں ، جن میں حسِّ لطیف نمایاں عنصر ہے۔ جس طرح موسیقی، شاعری میں ایک Rhythm اور حسِّ لطیف کا معاملہ رہتا ہے۔ شاعر جب شعر کہتا ہے، موسیقار جب دُھن بناتا ہے اور خطاط جب لکھتا ہے تو اس دوران حسِّ لطیف کے باریک سے باریک تار کو چھوتا ہے، سوچتا ہے، دماغ میں لفظ بناتا ہے، کس لفظ کو کس کے اوپر سے اٹھانا ہے یا گرانا ہے، اسی طرح موسیقار بھی دُھن بناتے وقت صوتیات کو وزن کرتا ہے، کبھی بھاری صوت کو ہلکی سے اور کبھی ہلکی کو بھاری سے ملاتا ہے اور کبھی دونوں کو وقت کے کسی لمحے میں ایک دوسری سے جدا کرتا ہے۔ کبھی دونوں میں سے ایک کو دوسری پر اٹھاتا ہے خواہ ایک ضرب کی زیادتی سے ہو یا ضرب کی کمی سے۔ اس عمل کے دوران وہ حس لطیف سے گزرتا ہے اور حس لطیف نفس لطیف کے ساتھ اس طرح پیوست ہے کہ وہ نفس کثیف کو بہت حد تک متاثر کر دیتی ہے۔ شاعر کے تخیل کا معاملہ بھی اس کے عین مطابق ہے، وہ تصورات کے ساتھ ساتھ صوتیات اور شعر کی کتابت کو کئی مرتبہ سوچتا ہے، اس میں اس کے چھپے Rhythm کو تلاشتا ہے ، تب کہیں جا کر کوئی معیاری شاہکار وجود میں آتا ہے۔ حس لطیف کے تار چھونے کے لئے سخت محنت اور ریاض کی ضرورت ہوتی ہے اور اس تک مروّجہ قواعد و ضوابط کے تحت ہی پہنچاجا سکتا ہے۔ جس طرح موسیقی کے سُر کی تعلیم کے لئے چار لائنوں کا استعمال ہوتا ہے اسی طرح خطاطی کی تعلیم کے لئے بھی چار لائنیں استعمال ہوتی ہیں اور شاعر بھی انہی چار لائنوں کی حدود و قیود میں رہ کر صوتیات کو وزن کرتے ہوئے شعر تخلیق کرتا ہے۔ ہر انسان جو بھی عمل کرتا ہے وہ یا تو نفس لطیف کے تحت ہوتا ہے یا نفس کثیف کے تحت۔ نفس کثیف وہ ہے جس کے تحت ہم ملازمت کرتے ہیں یا جس کام کی ہمیں اُجرت ملتی ہے اور روزی روٹی کے لئے اس کام کا بجا لانا ضروری ہوتا ہے۔ جب نفس لطیف، نفس کثیف پر حاوی ہو جائے تو شاہکار وجود میں آتے ہیں۔ نفس لطیف کے تحت جو کام کیا جاتا ہے وہ ہر فنکار اپنی جودت طبع کے لئے کرتا ہے، جس کا اس کو کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔ وہ اپنی اندرونی کیفیات کو جذبات میں ڈھال کر دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے جس کے لئے اسے صرف پذیرائی ملتی ہے۔

روحانی اعتبار سے اسلامی تہذیب و تمدن کا نشوونما ایسے علاقوں میں تھا جہاں وسیع اور گھنے جنگل نام کو نہ تھے۔ صحرا وسیع اور نیم بنجر زمینوں کے مقابل ہر چیز بڑی واضح اور صاف نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی صناعی اور فن تعمیر میں بھی صفائی، حسن صوری کی خوبیاں نمایاں ہیں۔(۱)

جہاں تک ہند و مذہب کا تعلق ہے یہ ان سرزمینوں میں پھلا پھولا جو بڑے گھنے جنگلات سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ جہاں پتوں کی باریک باریک لکیروں اور پھولوں کی حصوں میں جزئیات کی نزاکت پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ جہاں آنکھ ہر ہر پتی اور ہر ہر پھول کا الگ الگ نظارہ کرتی ہے۔ لیکن پورے درخت کو بہت کم دیکھتی ہے اور سارے جنگل کو تو وہ کبھی بھی نہیں دیکھتی۔ اسی لئے ہندو آرائشوں کی

باریکیوں پر جان دیتے ہیں لیکن بالکل صاف اور واضح تصویری سائے پیدا کرنے کے شوقین ہیں۔ہندو اور مسلمانوں کی آرائش میں بڑا فرق ہے۔ہندو باریک تفصیلات میں پھول پتوں کی باریکیاں پیدا کرتے ہیں لیکن مسلمان اپنی عمارتوں کو رنگ و خط، اُبھروں نقاشی ، کاشی کاری اور خطاطی سے آراستہ کرتے ہیں اور کسی حالت میں بھی اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔(۲)

ہندو مذہب کے ساتھ ساتھ اسلام نے ہندوستانی ادب پر بھی انوکھے اثرات مرتب کیے، انہی اثرات کے پیش نظر ملک میں ایک لسانی امتزاج شروع ہو گیا، جس نے ایک عرصہ بعد اردو کی شکل اختیار کر لی۔ہندوستانی زبانوں مثلاً ہندی، مرہٹی، بنگالی ، پنجابی وغیرہ پر بھی مسلمانوں نے گہرا اثر چھوڑا۔ہندو طب اور فلکیات میں بھی مسلمانوں سے بہت کچھ حاصل کیا۔بہت سے ہندوؤں نے مسلمانوں سے خطاطی کی تعلیم حاصل کی اور فارسی ادب میں ہندوؤں نے نمایاں مقام پایا۔لیکن سب سے بڑا اثر جو میں سمجھتا ہوں وہ رسم الخط پر پڑا۔محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ کے بعد سے آج تک صوبہ سندھ میں خط نسخ مروّج ہے، سندھی لباس بھی عربی وضع قطع کا ہے جیسا کہ الاصطخری نے المسالک والممالک میں منصورہ شہر کے بارے میں لکھا، منصورہ ایک گھاڑی میں ٹاپو پر آباد تھا، اس کے رہنے والے عربی وضع قطع کا لباس پہنتے۔(۳)

ہندی نستعلیق کے ضمن میں تعریف کرتے ہوئے شیخ ممتاز حسین جون پوری رقمطراز ہیں:

"دوسرا فرق ہندی نستعلیق خط اور ایرانی نستعلیق خط میں شان تحریر کا ہے اور یہ فرق قریب قریب اسی طرح کا ہے جیسے ہندوستانی اور ایرانی النسل انسان کی صورت اور شان کا فرق ہوتا ہے۔یہ ایک فنی بات ہے۔"(۴)

Islam and " اپنی کتاب Faruqi-Lois Lamaya al
Art" کے باب ۸ میں لکھتے ہیں:

The musical art of the Muslims, like their " other arts, has been molded by the Islamic world view. Islam is not a religion which pertains only to the practices performed in the mosque, or one which is forgotten in the affairs of everyday life. merely a call to prayer five times a Islam is not day. It is a complete system of thought and behaviour which governs both the physical and spiritual well being of all Muslims. It is a social, economic, political, intellectual and also an artistic ious spirit which received its expression of a relig mightiest impetus in seventh century Arabia with the advent of the Quran and the Prophet hood of Muhammad. No aspect of Muslim life has failed to be influenced by this crystallization of monotheism er arts, can embody the tawhid. Music, like the oth characteristics of the arabesque and thereby aesthetically proclaim this durations can be as expressive of tawhid as any example from the visual or literary arts. To condemn all music, even when it satisfied the aesthetic demands of arabesque art, is therefore to shut oneself off from a valid means of artistic communication, of an individual as well as communal level of Islamic (society."(5

انسانی احساسات اور کیفیات کا یہ باب بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ علامہ کی جو شاعری آپ کے ہاتھ میں ہوتی ہے اس کے پس منظر میں کئی کیفیات کا دخل ہوتا ہے۔علامہ اقبال میوزیم میں میری تعینات دوسری مرتبہ ۲۰۰۳ء میں ہوئی۔ایک دن علامہ اقبال کے لکھے ہوئے مسودات کو خطاطی کے اعتبار سے جانچنے کا خیال دل میں پیدا ہوا تو خط شکستہ کے قوائد و ضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے ایران کے معروف خوش نویس امیر نظام گورسی کے طرز تحریر سے علامہ کے لکھے ہوئے غلام احمد مہجور کے خط سے عمیق مطالعہ و مشاہدہ کیا جس پر ایک مدلل مضمون ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی جناب سہیل عمر صاحب نے اقبال رویو میں شائع کیا۔جسے اقبال شناسوں نے بہت پسند کیا۔اس کے کچھ عرصہ بعد جناب زیڈ اے قریشی کی جانب سے اقبال پر ایک سیمینار کیا گیا جس میں راقم نے یہی مضمون پڑھا اور اسے خاص پذیرائی ملی۔پھر میرے دل میں خیال آیا کہ جب علامہ اقبال خود اتنے اچھے خطاط (شکستہ نویس) تھے تو ان کی زندگی میں معروف خوش نویسوں کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے رہے ہوں گے۔کیا یہی وجہ نہیں کہ علامہ نے اپنے کلام کی کتابت اس دور کے مایہ ناز خوش نویسوں سے کرائی۔اگر درمیانی قلم سے کتابت مقصود تھی تو منشی فضل الٰہی مرغوب رقم کا انتخاب کیا گیا اور اگر دودانگ قلم سے لکھوانا مقصود تھا تو عبدالمجید پروین رقم کا انتخاب کیا گیا۔اگر پوسٹر نویسی یا کتبات کی ضرورت محسوس ہوئی تو حاجی دین محمد جو جلی نویسی میں مہارت رکھتے تھے ان کا انتخاب کیا گیا۔علامہ اقبال میوزیم کا ریکارڈ دیکھتے ہوئے مجھے ۱۹۱۵ء کا ایک نسخہ جسے منشی فضل الٰہی مرغوب رقم نے کتابت کیا اور ایک نظم 'والدہ مرحومہ کی یاد میں' کتابت کر کے علامہ اقبال کو منشی فضل الٰہی مرغوب رقم نے دی جو علامہ نے اپنے والد بزرگوار کو بھجوائی۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۵-۱۹۱۴ء میں علامہ کا کلام منشی فضل الٰہی مرغوب رقم کتابت کیا

کرتے تھے۔ منشی فضل الٰہی مرغوب رقم کی اپنی پرنٹنگ ایجنسی تھی۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں پڑھی جانے والی علامہ اقبال کی نظمیں بڑی سرعت سے کتابت کر کے اسی ایجنسی سے شائع کر کے اگلے جلسہ میں سے اسے فروخت کرنے اور ساری آمدنی انجمن حمایت اسلام کے فنڈز میں جاتی، علامہ کی منشی فضل الٰہی مرغوب رقم سے پروین رقم تک کیسے رسائی ہوئی علامہ کے دوست حکیم فقیر محمد چشتی جو آج میانی صاحب پروین رقم کی قبر کے پاس مدفون ہیں علامہ اقبال کے اچھے دوستوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اسی طرح ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، سید امجد علی لال میا کے معروف خطاطوں سے اچھے روابط تھے۔ انہوں نے بعد میں خطاطی پر کافی کام کیا۔ ان تعلقات سے علامہ کا خوش نویسوں سے اپنے کلام کی کتابت کے سلسلہ میں تعلق واضح ہوتا ہے۔ پوسٹر نویسی میں علامہ اقبال نے اپنے دیرینہ دوست حاجی دین محمد کا انتخاب کیوں کیا جبکہ کتابوں کی کتابت پروین رقم کر رہے تھے۔ اسی طرح زبور عجم کی کتابت علامہ اقبال نے الماس رقم سے کرائی۔ اس کے بعد مجھے احساس ہوا کہ کلام اقبال کی کتابت زیادہ تر اقبال کی وفات کے کے بعد انہی خوش نویسوں کے بیٹوں یا رشتے داروں یا پھر ہمیں پاکستان میں گزشتہ ایک صدی میں ایسے خطاط بھی ملتے ہیں جنہوں نے اپنی روحانی تسکین کلام اقبال کی کتابت سے کی۔ آج کوئی بھی خوش نویس ایسا نہیں جس نے کلام اقبال کی مشق نہ کی ہو، کیونکہ اس کلام میں ایک تو کلام پاک سے نسبت کی وجہ سے پاکیزگی اور دوسرا روحانی تسکین ملتی ہے۔(۶)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنے وصف اور اہتمام سے شائع ہونے والا کلام اقبال آج کل نوجوانوں میں مقبول کیوں نہیں؟ آج کی نسل کلام اقبال سے اس قدر آشنا کیوں نہیں جتنا کہ ہونا چاہئے۔ علامہ اقبال کے بعد آٹھ دہائیاں گزر چکیں، مگر ہم اقبال کو اس کے شاہینوں سے دور رکھنے میں بہت کامیاب رہے۔ حد یہ ہے کہ ہمارا قومی شاعر اقبال ، اقبال لاہوری کے نام سے ایران کا قومی شاعر بھی ہے۔ ذرا ایران کی اور پاکستان کی ترقی کا آپ خود ہی موازنہ کر لیجئے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ کیا ایران نے ہم سے ہمارا اقبال چھین لیا ہے یا ہم نے خود ہی پابند سلاسل کر کے ایران کے حوالے کر دیا ہے۔ جنہوں نے سلاسل سے آزاد کر کے ایرانیوں کے دلوں میں بسا دیا ہے۔ ہر آنے والی نسل اگلی نسل کو کیا مہیا کر رہی ہے، یہ آپ اور میں بخوبی جانتے ہیں۔ آپ کی یونیورسٹیوں میں فیسوں کا معیار تو بہت اچھا ہے، کیا تعلیم کا معیار بھی وہی ہے جو فیسوں کا ہے؟ کیا طالب علم، علم و ادب سے بھی معریٰ ہیں یا وقت گزاری کے لئے یونیورسٹیوں میں جا رہے ہیں ؟ کیا مقالوں کا معیار پچھلے معیار سے بہتر ہے یا بدتر ہے اور اس کی وجوہات کیا ہیں؟ کیونکہ اگر معاشرے میں کسی بڑے شاعر کو پسند کرنے والے معدوم ہیں یا کم ہیں تو اس حد تک معاشرہ بھی کم ارزاں اور کم عیار ہو جاتا ہے۔

شمس الرحمن فاروقی کے مطابق اپنے زمانے کے حکیم الامت اور ملت اسلامیہ کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کے کھیون ہار، اب وہ ملت کچھ نئے ہی طرح کے منجدھاروں میں گرفتار ہے۔ کیا اب کلام اقبال اس قوم کو ایسے منجدھاروں سے نکالنے کا ذریعہ ہو سکتا ہے؟ اقبال کے کلام میں تیقن اور تلقین اس قدر شدید ہے، شاید آج کا نوجوان ان دونوں چیزوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ ہم نے نا تو خود کلام اقبال کو صحیح طریقے سے پڑھا، نا سمجھا اور نہ اپنی نسل کو منتقل کیا۔ تو پھر ہم اپنی نئی نسل سے کیا توقعات رکھ سکتے ہیں۔

ہم نے بہت کاوش سے جو کیا ہے کہ کلام اقبال کو عمارتوں کو زینت بنا دیا ہے یا قبروں کے کتبوں پر لکھ کر لگا دیا ہے۔ مینار پاکستان سے لے کر ایوان اقبال تک جہاں یہں کھڑا ہوں، کلام اقبال اعلیٰ خوشنویسوں سے لکھوا کر لگا دیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی یا علامہ اقبال میڈیکل کالج یا پھر معروف چوکوں میں مختلف دیواروں پر اشعار لکھے ہوئے ملتے ہیں، جن کو آج کی نسل تو سمجھائے بغیر نہیں سمجھ سکتی۔ (۷)

علامہ اقبال کے زمانہ کے بارے میں عبدالقادر لکھتے ہیں:

”میں نے اس زمانہ میں انہیں کبھی کاغذ قلم لے کر فکر سخن کرتے نہیں دیکھا۔ موزوں الفاظ کا ایک دریا بہتا یا ایک چشمہ اُبلتا معلوم ہوتا تھا۔ ایک خاص کیفیت، رقعت کی عموماً ان پر طاری ہوتی تھی اور اپنے اشعار سُریلی آواز میں ترنم سے پڑھتے تھے خود وجد کرتے او ردوسروں کو وجد میں لاتے تھے۔ یہ عجیب خصوصیت ہے کہ حافظہ ایسا پایا ہے کہ جتنے شعر اس طرح زبان سے نکلیں، اگر وہ ایک مسلسل نظم کے ہوں تو سب کے سب دوسرے وقت اور دوسرے دن اسی ترتیب سے حافظہ میں محفوظ ہوتے ہیں، جس ترتیب سے وہ کہے گئے تھے اور درمیان میں خود وہ انہیں قلم بند بھی نہیں کرتے تھے۔“(۸)

جس زمانے میں ہندوستانی مسلمانوں بلکہ کم و بیش تمام اقوام عالم کی نگاہیں روشن فکری Enlightenment سے خیرہ ہو رہی تھیں،

صرف دو ہندوستانی ایسے تھے جو مغرب کی مادی ترقی اور ذہنی فتوحات سے مرعوب نہ ہوئے۔ایک تو اکبر الہٰ آبادی اور دوسرے اقبال۔اکبر الہٰ آبادی نے مغرب کو نہیں دیکھا تھا لیکن مغرب کے استعمار کو دیکھا تھا۔وہ جانتے تھے کہ جس روشن خیالی کے ڈنکے ہر طرف بج رہے ہیں وہ کچھ نہیں، صرف مغربی استعمار کو رائج اور نافذ کرنے کا ہتھکنڈہ ہے۔چنانچہ ان کا سارا کلام مغربی استعمار کی علامتوں کی قلعی اتارنے سے عبارت ہے۔خواہ وہ تعلیم ہو، خواہ مشینی مصنوعات کی ریل پیل سب ایک ہی منصوبے یعنی Orientalism کے حصے ہیں۔ جب کہ اقبال نے کبھی طنز کو اختیار کیا لیکن ان کی روح کی تپش اور ذہن کی خلش انہیں ایسا اسلوب اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی تھی جس میں کچھ حکیمانہ رنگ بھی شامل ہوتا۔

سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اِس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اِسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر(۹)

اب یہ شعر ملاحظہ ہوں، جس میں آج کی Globalization سے لے کر سیاست، تاریخ اور پس نو آبادیاتی Colonialism صورت حال کا احساس سب موجود ہیں:

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہو گا(۱۰)

اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو نئے سال کی آمد پر اقبال کا جو پیغام ریڈیو اسٹیشن لاہور سے نشر ہوا اور جسے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت سے ان کا آخری خطاب تھا۔ارشاد ہوتا ہے، ”عہدِ حاضر علم و دانش اور سائنسی اختراعات میں اپنی بے مثال ترقی پر بجا طور پر متفخر ہے۔آج زمان و مکاں کی تمام وسعتیں سمٹ رہی ہیں اور انسان فطرت کے راز افشا کر کے اس کی قوتوں کو اپنے مقاصد کی خاطر استعمال کرنے میں حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کر رہا ہے لیکن ترقی کے باوجود اس زمانے میں استعمار نہ جانے کیا کیا نقاب اوڑھ رکھے ہیں کہ ان کے سبب دنیا میں ہر جگہ قدر حریت اور شرف انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہو رہی ہے کہ تاریخ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک ورق بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔نام نہاد سیاستدان جنہیں قیادت عوام اور انتظام حکومت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، قتل و غارت اور ظلم و استبداد کے شیاطین ثابت ہوئے ہیں اور ان حاکموں نے جن کا فرض ایسی اقدار کی سربلندی اور تحفظ تھا جو اعلیٰ انسانیت کی تشکیل و تعبیر کا سبب بنتی ہیں، اپنے اپنے مخصوص گروہوں کے طمع اور حرص کی خاطر لاکھوں انسانوں کا خون بہایا ہے۔ اس افراتفری کے عالم میں انسانی ہمدردی یا اخوت کی کوئی بھی آواز سنائی نہیں دیتی۔باہمی نفرت کے سبب انسان انسان کی تباہی و بربادی کے درپے ہے اور بالآخر اس دنیا میں انسانی بود و باش کو ناممکن بنا دیا جائے گا۔یاد رکھو اس دنیا میں انسان کی بقا انسانیت کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھنے ہی سے ممکن ہے۔پس صرف ایک ہی قسم کا اتحاد قابل اعتماد ہے اور اس اتحاد کی بنا ہے۔اخوت انسانی جو نسل، قومیت، رنگ اور زبان سے بالا تر ہے۔جب تک انسان اپنے عمل کے ذریعے یہ مظاہرہ نہیں کرتے کہ ان کے مذہب و عقیدے کے مطابق ساری دنیا خداوند تعالیٰ کا ایک واحد خاندان ہے، جب تک نسل، رنگ اور علاقائی قومیتوں کے امتیازات قطعی طور پر مٹ نہیں جاتے، اس دنیا میں انسانوں کو کبھی بھی خوشی، مسرت اور اطمینان کی زندگی نصیب نہ ہوگی اور آزادی، مساوات اور اخوت کے حسین تخیل کو کبھی بھی حقیقت کا جامہ نہ پہنایا جا سکے گا۔پس ہمیں نئے سال کی ابتدا اس دعا سے کرنی چاہئے کہ خداوند کریم دنیا کے حاکموں کو انسانیت اور نوع انسان کی محبت عطا فرمائے۔(۱۱)

جہان اقبال کے مصنف اقبال اور سید وقار عظیم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”لاہور میں یکم اپریل ۱۹۷۳ء کو رفیع الدین ہاشمی نے بطور خاص صرف اقبال ہی کے موضوع پر وقار عظیم سے گفتگو کی۔ان کے بعض استفسارات کے جواب میں سید وقار عظیم نے بیان کیا کہ یہ ۲۶-۱۹۲۵ء کا زمانہ تھا، میں سکول میں پڑھتا تھا، ہمارے نصاب کی کتاب میں اقبال کا منتخب کلام شامل ہوتا تھا۔یہ انتخاب چند نظموں بچے کی دعا، ترانۂ ہندی، نیا شوالہ، جگنو، ہمالہ اور ایک آرزو پر مشتمل تھا۔

یہیں سے اقبال کے ساتھ میری دلچسپی کا آغاز ہوا۔ گویا یہ نظمیں ایسی نظمیں تھی جن کو ہر طالب علم کی قلم کی نوک سے گزرنا تھا۔"(۱۲)

سید وقار عظیم کے مطابق خوبصورت خطاطی میں لکھی ہوئی تحریر دماغ میں عرصہ تک محفوظ رہتی ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم کلام اقبال کو عام کرنے کے لئے خوبصورت سے خوبصورت لکھوا کر مختلف عمارتوں، درسگاہوں کی زینت بنائیں اور ساتھ ہی ساتھ اقبال اکیڈمی کے اس ادارے سے خاطرخواہ کام لیں اور ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جائے جو کلام اقبال میں اتھارٹی کا درجہ رکھتے ہوں۔ ہائیر سیکنڈری لیول اور یونیورسٹیوں میں باقاعدگی سے لیکچر کا سلسلہ جاری کیا جائے اور نوجوان نسل کو ان کے قومی شاعر کی اُمنگوں کے مطابق بنایا جائے اور اس قوم کی تربیت اِس انداز سے کی جائے جس کا پیمانہ اقبال کی شاعری میں متعین ہے۔

حوالہ جات

(۱) اشتیاق قریشی، ثقافت پاکستان، ص۷۹، عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، س ن، ص۳۵۵

(۲) عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، س ن، ص۳۵۵

(۳) ابو اسحاق ابراہیم بن فارسی الاصطخری، المسالک والممالک، تحقیق محمد جابر عبدالعالی، قاہری، ۱۹۶۱ئ، ص ۱۴۱

(۴) شیخ ممتاز حسین جون پوری و محمد ایوب قادری، خط و خطاطی، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ۱۹۶۱ئ، ص ۳۸۷

(5) al-Lois Lamya' Faruqi, Islam and Art, National Hijra Council, Islamabad, 1985, P 174

(۶) ڈاکٹر محمد اقبال بھٹہ، کلام اقبال کی کتابت، نیشنل مونومنٹ میوزیم پاکستان، اسلام آباد، مقالہ برائے ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ئ، ص۳

(۷) ڈاکٹر محمد اقبال بھٹہ، کلام اقبال کی کتابت، نیشنل مونومنٹ میوزیم پاکستان، اسلام آباد، مقالہ برائے ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ئ، ص۱۲۴

(۸) عبدالقادر، دیباچہ، کلیات اقبال، ص۱۱

(۹) شمس الرحمن فاروقی، اقبال کا اقبال، مشمولہ نگارشات، سہ روزہ الحمرا عالمی ادبی و ثقافتی کانفرنس، ۲۰۱۰ئ، ص۲۵

(۱۰) ایضاً، ص۲۸

(۱۱) ڈاکٹر جاوید اقبال، اکیسویں صدی اور علامہ محمد اقبال، مشمولہ نگارشات، سہ روزہ الحمرا عالمی ادبی و ثقافتی کانفرنس، ۲۰۱۰ئ، ص۳۰-۳۱

(۱۲) ڈاکٹر سید معین الرحمن، جہانِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۷ئ، ص۹۵